Fikr-o-Nasar (Islamabad) 40:1 (2002)

فکر و نظر---- اسلام آباد　　جلد:۴۰　　شمارہ:۱

انتقادی مقالہ

ڈاکٹر ایس ایم زمان ☆

عنوان کتاب	:	الامین
مصنف	:	محمد رفیق ڈوگر
ناشر	:	دید شنید پبلشرز، لاہور
سن طباعت	:	۲۰۰۰ء
صفحات	:	۱۸۲۰
جلد	:	۳
قیمت	:	

اسلام کے صدر اوّل سے اب تک سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں کتابیں لکھی گئیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں یہ سعادت کبریٰ نصیب ہوئی۔ شہرت عام و بقاء دوام کے اس تاریخی دربار میں اپنے بیگانے، دیوانے فرزانے، مخالف موافق سبھی شامل ہیں۔

بیسویں صدی کے معروف برطانوی یہودی مستشرق ڈی-ایس-مارگولیوث (D.S. Margolioth) نے سیّد و سرور کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سوانح عمری "Mohammad and the Rise of Islam" کے عنوان سے لکھی، اس میں اصل عربی مصادر تک اس کی رسائی، علمی فضیلت اور وسعت و تعمق کے باوجود جگہ جگہ اس کا تعصب جھلکتا ہے۔ تاہم کتاب کے دیباچہ میں جو افتتاحی کلمات اس کے قلم سے بے ساختہ نکل گئے وہ ایک ایسی عالمگیر صداقت کے ترجمان ہیں کہ انہیں- اصل کتاب کے مندرجات سے کہیں زیادہ- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالیہ سیرت نگاروں اور سیرت نگاری کے انتقادی ادب میں تکرار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور وہ جملہ یہ ہے:

☆ چیئرمین، اسلامی نظریاتی کونسل، اسلام آباد

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

The biographers of the Prophet Mohammed form a long series which it is impossible to end, but in which it would be honourable to find a place.

(نبی محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] کے سیرت نگاروں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جس کا اختتام کو پہنچنا ناممکن ہے مگر اس میں جگہ پانا باعث اعزاز ہے)

بلاشبہ یہ سلسلہ لامتناہی ہے، جاری و ساری ہے، رہے گا، اور اس میں شمولیت باعث صد اعزاز ہی رہے گی۔ محمد رفیق ڈوگر کی تالیف "الامین" اس مبارک سلسلے میں ایک اہم اضافہ ہے۔

تین جلدوں اور ۱۸۲۰ صفحات پر مشتمل اس ضخیم تصنیف کے مندرجات اور فہرست مضامین کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، مطمح نظر یہ ہے کہ سیرت پر لکھی گئی لاتعداد کتابوں، بالخصوص اُردو ادب کے حوالے سے اس نئے اور گرانقدر اضافہ کے مقام کا تعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس کا تعلق سیرت نگاری کی کس قبیل سے ہے اور اس لحاظ سے اس کی افادیت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طاہرہ پر کوئی نئی طویل، مفصل، علمی کتاب لکھنا بلاشبہ ایک زبردست چیلنج ہے۔ گزشتہ ۱۴ صدیوں میں سیرت نگاروں نے نبی رحمت کی حیات مقدسہ کے تمام گوشوں پر اس شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے، اور اس گروہ میں محبت، نفرت، عشق، عناد، معروضیت، تعصب کے علمبردار سبھی شامل ہیں، کہ اس منور موضوع پر کسی با توقیر علمی کتاب کا اضافہ سچی عبقریت کا تقاضا کرتا ہے۔

فاضل مصنف عربی دانی، تاریخ نگاری، علم حدیث و مغازی میں تبحر کے کسی درجے کا دعویٰ نہیں رکھتے جیسا کہ انہوں نے صدق و صفا کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ بلاشبہ الامین کی تالیف و تدوین میں انیسویں بیسویں صدی کے اُردو انگریزی ثانوی منابع سے ہی استفادہ کیا گیا ہے۔ جلد سوم کے آخر میں ۶۱۲ سے ۶۱۶ تک مآخذ کے عنوان کے تحت کتابوں کی جو فہرست دی گئی ہے، ان میں سے ۳۲ انگریزی اور ۷۷ اُردو کی ہیں (کل ۱۰۹)، ان میں صرف ۱۲ کتابیں اصل مصادر کے اُردو تراجم ہیں مگر فاضل مؤلف نے یہ کتاب کسی علمی و تحقیقی خلاء کو پُر کرنے کے بلند بانگ دعویٰ کے ساتھ علماء و محققین کی نذر نہیں کی بلکہ ان کے اپنے بیان کے مطابق یہ نذرانۂ عقیدت بحضور ختمی مرتبت رسول رحمت و عزیمت صلی اللہ علیہ وسلم، مخصوص قلبی واردات، نفسیاتی تجربہ اور جذباتی کیفیت سے گزرنے کا

نتیجہ اور ایک ذہنی و جسمانی بحران (Crisis) کی کشاکش میں اپنی ذات سے کیے ہوئے پیمان کا ایفاء ہے، اور اس کا حق ادا کرنے میں اس صاحب طرز ادیب اور کہنہ مشق قلمکار نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔

تین ضخیم جلدوں پر مشتمل یہ کتاب اپنے اندر مخصوص جاذبیت و دلکشی رکھتی ہے اور قاری کے ذہن و قلب پر تسخیری کیفیت پیدا کرنے میں گہری تاثیر کی حامل ہے۔ آج ملت مسلمہ اطراف و اکناف عالم میں امتحان و ابتلاء کے ایک نازک دور سے گزر رہی ہے۔ مستقبل میں "الكفر ملة واحدة" کی حقیقت مجسم ہو کر ابھرتی نظر آ رہی ہے۔ یہ خطرات ثقافت و معیشت اور سیاست و سفارت کاری کے میدانوں میں جارحیت کے حربوں سے گزر کر ۱۸ویں ۱۹ویں صدی کی گن بوٹ ڈپلومیسی (Gun-Boat Diplomacy) کا سا عریاں انداز اختیار کر رہے ہیں۔ ہمارے وجود اور ہمارے اصول و مناہج حیات کی بقاء کے لیے ضروری ہی نہیں ایک ناگزیر تقاضا ہے کہ ہم اپنے آقا و مولا، ہادی و مرشد، سید و سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے اپنا رشتہ غلامی از سر نو استوار کریں اور ایسا محکم استوار کریں کہ ہماری اخلاقی پستیاں اس انقلاب سے آشنا ہو کر ایسے ناقابل شکست عزم و استقلال میں بدل جائیں جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کو قیصر و کسریٰ کے استعمار سے ٹکرانے کا حوصلہ عطا کیا تھا۔

پاکستان میں دانشور اور مفکرین اس بات کے شاکی رہے ہیں کہ تأسیس پاکستان سے اب تک اعلیٰ پائے کی قائدانہ صلاحیتوں سے متصف کوئی ایسی شخصیت منظر عام پر نہیں آئی جو بصیرت کے ساتھ پاکستان کے مسائل کا ادراک کرتے ہوئے ان کے حل کے لیے پوری قوم کو ساتھ لے کر جرأت مندانہ اقدامات کر سکتی۔ غالباً اس کا سبب بھی نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طاہرہ کے نسخہ کیمیا سے اغماض میں مضمر ہے۔ یہاں پروفیسر فلپ کے حتی (Professor Philip K. Hitti) کی مقبول و معروف کتاب تاریخِ عرب (History of the Arabs) کا یہ جملہ جو مؤرخانہ بصیرت کی ایک عمدہ مثال ہے، نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

> " After the death of the Prophet sterile Arabia seems to have been converted as if by magic into a nursery of heroes the like of whom both in number and quality is hard to find anywhere". (P.K. Hitti, History of the Arabs (1979), P.142)

(پیغمبر اسلام [علیہ السلام] کی وفات کے بعد یوں لگتا ہے کہ عرب کی بنجر سرزمین گویا کسی طلسمی اثر سے ایسے نامور ہیروز کی نرسری میں بدل گئی جن کی مثال نہ کثرت تعداد میں کہیں نظر آتی ہے اور نہ ان کی قیادت کے عظیم معیار میں)۔

بلاشبہ یہ معراج انسانیت کے اسوۂ عظیم کا ہی اعجاز تھا، جس نے عرب کے صحرا نشینوں کی کایا پلٹ دی۔ آج بھی سیرت رحمۃ للعالمین کو ایسے اثر انگیز ادب کے ذریعے پیش کرنے کی ضرورت ہے جو ذہن و قلب میں نئی رحمت، نئے انقلاب سے لافانی محبت کا رشتہ محکم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے غبار سچائی، آلائش سے پاک صداقت، بے داغ دیانت، ناقابل شکست عزم، رب عزیز و قدیر کے سوا ہر خوف سے ناآشنا شجاعت، فرشتوں کا سا تقدس، مادر مہربان کی سی شفقت و رحمت، بڑوں کا احترام، غرض کہ انسانی فضائل عالیہ کے سب رنگ آپ کی سیرت کے پرتو ہیں۔ آج سیرت کے ایسے ادب کی ضرورت ہے جو رذائل سے زنگ آلود دلوں میں ان فضائل کی جوت جگا دے۔ اس ضرورت کا احساس و ادراک کرتے ہوئے ڈوگر صاحب نے خون جگر میں حب رسولؐ کی آمیزش سے ہم سب کے آقا و مولا، سید و سرور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جو ہدیہ اور ملت اسلامیان پاکستان کے لیے جو انمول تحفہ پیش کیا ہے بلاشبہ یہ 'ناقۂ بے زمام' کو سوئے حرم رواں دواں کرنے کی ایک گراں قدر کوشش ہے جس کے لیے وہ ان شاء اللہ عنداللہ ماجور، عندالرسول سرخ رُو اور ہم سب کے لیے لائق تشکر ہیں۔

یہاں سیرت طاہرہ کے بنیادی مصادر کے احاطہ کا موقع نہیں۔ قرآن کریم اور ادب حدیث بلاشبہ سیرت نگاروں کے لیے معلومات کا اوّلین اور انتہائی معتبر سرچشمہ ہیں۔ مغازی اور سیرت کی کتابوں کا عظیم سلسلہ ہے جس میں سیرۃ ابن اسحٰق، ابن ہشام، طبقات ابن سعد اور تاریخ طبری کا ذکر چند نہایت ممتاز مصادر کے طور پر کیا جا سکتا ہے۔ سیرت کے کسی بھی سنجیدہ طالب علم یا مصنف کے لیے ان ذرائع تک رسائی ایک لابدی اور ناگزیر ضرورت ہے۔ تاہم مسلم معاشرہ کی کیفیت اور عالمی احوال کا تقاضا یہ بھی ہے کہ سیرۃ النبی پر ایسی کتابیں تصنیف کی جائیں جو قارئین میں اتباع رسول کا جذبہ زندہ کریں، راسخ کریں۔ داد و تحسین کے مستحق ہیں وہ مصنفین جنہوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا۔

مصر کے فاضل اجل محمد الغزالی مرحوم اپنی کتاب فقہ السیرۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

" قد بذلت وُسعی فی اعطاء القارئ صورۃ صادقۃ عن سیرۃ الرسول و قصدت من وراء ذلک أن تکون السیرۃ شیئا یُنمّی الایمان و یزکّی الخلق و یلهب الکفاح، و یغری

باعتناق الحق و الوفاء له،———

انني اكتب في السيرة كما يكتب جندی عن قائده او تابع عن سيده أو تلميذ عن استاذه، ولست— كما قلت— مورخاً محايداً مبتوت الصلة بمن يكتب عنه———

ان المسلم الذی لا يعيش الرسول فی ضميره ولا تتبعه بصيرته فی عمله و تفكيره، لا يغنی عنه ابدا ان يحرک لسانه بألف صلاة فی اليوم والليلة"(۱).

(میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ قاری کے سامنے سیرت رسول کی سچی تصویریں پیش کروں۔ اس کے پیچھے میرا مقصود یہ ہے کہ کتاب سیرت ایسی چیز ہو جو ایمان کو پروان چڑھائے، اخلاق کو پاکیزگی بخشے، نبردآزمائی کا شعلہ روشن کرے، سچائی کو سینے سے لگانے اور اس کے ساتھ وفا کا حق ادا کرنے کا جذبہ عطا کرے--- میری تحریر کا انداز وہی ہے جو اس سپاہی کا ہوگا جو اپنے قائد کے بارے میں، لکھ رہا ہو، یا ایک خادم اپنے آقا یا ایک شاگرد اپنے مرشد کے بارے میں، جیسا میں نے پہلے کہا میں کوئی غیر جانبدار، مؤرخ نہیں ہوں جس کا اس ذات سے کوئی رشتہ نہ ہو جس کی تاریخ وہ لکھ رہا ہے۔

بے شک وہ مسلمان جس کے قلب وضمیر میں پیغبر خداؐ نہیں بستے، اور جس کے فکر وعمل میں اس کی بصیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میں نہیں چلتی، وہ دن رات میں ہزار بار درود اپنی زبان پرلائے اس کے کسی کام کا نہیں)

مولانا نعیم صدیقی اپنی گرانمایہ تصنیف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدمہ میں صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک سیرت پاک کے مطالعہ کا ایک ہی مقصود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی مشعل ہمارے سامنے اور پوری انسانیت کے سامنے یک بار پھر نور پاش ہو اور قافلۂ زندگی دورِحاضر کی تاریکیوں میں اسی طرح جادۂ فلاح کا سراغ پالے جس طرح اسے ساتویں صدی عیسوی میں بحران سے نجات پانے کا راستہ ملا تھا"(۲)۔

امین دویدار اپنی کتاب صور من حیات الرسول کی "تمہید" میں لکھتے ہیں:

" وقد حرضت جهدى على ان تكون هذه الصفحات صورا صادقة من حياة الرسول الكريم تملأ النفس بما فيها من صدق و وضوح و تملأ القلب بما فيها من قوة و حياة.

وان اسوق الحقائق التاريخية فى أسلوب قصصى سهل يلائم مستوى الشباب ويستهوى قلوبهم"[۳].

(میری کوشش رہی ہے کہ ان صفحات میں حیاتِ رسول کی سچی تصویریں آ جائیں، جن کی سچائی اور روشنی دل کو معمور کردے اور قلب کو قوت و حیات عطا کرے۔ میں نے تاریخی حقائق کو آسان حکائی اسلوب میں بیان کیا ہے کہ یہی نوجوانوں کی سطح کے لیے مناسب اور ان کے لیے دلکشی کا باعث ہو سکتا ہے")۔

انہی خطوط پر، الامین کے مصنف محمد رفیق ڈوگر کتاب کی بسم اللہ میں لکھتے ہیں:

"جس ماحول اور معاشرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ہوئی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن گزارا، جوانی کی عمر کو پہنچے، اور دین حنیف کی تکمیل کا مشن پورا کیا، اس کی تفصیل دی جائے تاکہ پڑھنے والے کو اندازہ ہوسکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی تعمیر کس ماحول میں ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا مشن کس معاشرے میں پورا کیا تھا اور کن کن قوتوں اور رویوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنا رہا تھا"۔

مصر کے معاصر یا قریب العہد عرب ادباء کی تالیفات میں سے ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب[۴] علی هامش السيرة (بالخصوص اس کا جزء دوم)، عباس محمود العقاد کی عبقرية محمد اور توفیق الحکیم کا تمثیلیہ بعنوان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سیرت نگاری میں روائی (داستان سرائی) اسلوب کی مثالیں ہیں۔ اُردو ادب میں مولانا عبدالحلیم شرر کی جویائے حق، نسیم حجازی کی قیصر و کسریٰ کو اس اسلوب کی نظیر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ تاریخی اور جذباتی نزاکتوں کے پیش نظر یہ اسلوب تحریر سیرت نگاروں میں زیادہ مقبول نہیں ہوسکا مگر سیرت طاہرہ میں قارئین کی دلچسپی بڑھانے اور اثر آفرینی کے اعتبار سے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

ظاہر ہے کہ زیرِتبصرہ کتاب اس قبیل سے تعلق نہیں رکھتی مگر ادبی اظہار اور واقعات و سوانح کو ان کی جزئیات کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قصوں میں بیان کرنے کی خصوصیت اس کا ممتاز وصف ہے۔ تین ضخیم جلدوں پر مشتمل ہونے کے باوجود مصنف کا یہ ہدف ہر صفحہ و سطر سے عیاں ہے کہ وہ قارئین کے دلوں تک پہنچنا چاہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہیں کہ علماء، مورخین، محققین ان کے اوّلین مخاطب نہیں ہیں۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی کتاب علی ہامش السیرۃ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

"یہ صفحات علماء یا مورخین کے لیے نہیں لکھے گئے، یہ تو بس ایک تصویر ہے جو مطالعہ سیرت کے دوران میرے ذہن پر نمودار ہوئی جسے میں نے جذب و شوق کے ساتھ محفوظ کر لیا۔ پھر میں نے سوچا اسے شائع کر دینے میں بھی کوئی قباحت نہیں بلکہ شاید اس میں کچھ خیر کا پہلو بھی ہے"۔

یہ کلمات ایک جہت سے الامین پر بھی صادق آتے ہیں۔ اس اہم فرق کے ساتھ کہ اس کتاب کے جس صفحہ پر بھی نگاہ ڈالیں، حیات مبارکہ کی ایمان افروز داستان کی کوئی جھلک، کوئی چھوٹی سی کہانی، کسی چھوٹے سے قصے، کسی حقیقی افسانے کی طرح تاریخ کے اوراق میں سے ابھرتی ہے۔ اور قاری کے قلب و ذہن کو منور کر جاتی ہے۔ تصاویر کا یہ حسین و جمیل سلسلہ تاریخی ربط و تسلسل کے ساتھ قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا چلا جاتا ہے۔ مگر یہ سب تصویریں حقیقی ہیں، ان میں کہیں افسانے یا دیومالائیت کی آمیزش نہیں ہے گو ان کی دلکشی قاری کی توجہ کو اپنی مضبوط گرفت میں رکھتی ہے۔ اگر اسلوب کو سامنے رکھیں تو امین دویدار کی صور من حیاۃ الرسول اس کے مماثل یا بالکل قریب نظر آتی ہے، جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں دارالمعارف سے شائع ہوا تھا۔ حال ہی میں شائع ہونے والی کتابوں میں جناب مولانا نعیم صدیقی کی معتبر تصنیف محسن انسانیت اسی انداز کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ طٰہٰ حسین نے مذکورہ مقدمہ کے آخر میں ایک اور بات کہی ہے:

"اس کتاب میں کوئی فصل، کوئی خبر، کوئی قصہ ایسا نہیں جو سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ طبری میں مندرج کسی نہ کسی خبر کے گرد نہ گھومتا ہو"

یہ دعویٰ الامین کے مصنف کے بارے میں کہیں زیادہ قطعیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اصل مصادر تک ان کی رسائی صرف تراجم کے ذریعے سے ہے، جو اصحاب حوالہ و تحقیق کے لیے قابل قبول نہیں۔ مگر ان مقاصد کی حامل کتاب کے لیے یہ کوئی بڑی خامی نہیں۔

میں نے کتاب کے ادبی، تاثراتی اور حکائی اسلوب پر خاصا زور دیتے ہوئے بعض دوسری کتابوں سے اس کی مماثلت کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے کوئی غلط فہمی نہیں پیدا ہونی چاہیے۔ نسبتاً غیر معروف حقائق اور حیات طیبہ میں اہم وقائع کا خصوصی تجزیہ بھی اس کتاب کی نمایاں، اور کہا جا سکتا ہے کہ ایک حد تک منفرد، خصوصیت ہے۔ اس ضمن میں حلف الفضول، سفر طائف، دستور مدینہ، معرکۂ بدر،

غزوہ احد اور سرکارِ دوعالمؐ کی رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت جیسے اہم سنگ میل مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ صفحہ ۴۴۶ تا ۴۴۹ پر سفرِ طائف کے سلسلہ میں ایک تفصیلی حاشیہ مصنف کی دقت نظر اور تفصیلی مطالعہ کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ نازک مقامات پر مصنف نے لائق تحسین چابکدستی اور احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے اس کے باوجود وہ معلومات بھی لے آئے ہیں جن کا ذکر سیرت کی عام اُردو کتابوں میں نہیں ملتا۔ جناب ابوطالب کی وفات اس کی ایک مثال ہے۔

بعض جگہ، جیسے قدیم عربوں یعنی **العرب البائدة، العرب العاربة،** حتیٰ کہ **العرب المستعوبة** کے ضمن میں بھی، مصنف نے غیر ضروری تفاصیل سے کتاب کے ابتدائی حصہ کو بوجھل کر دیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی اور سیرت کے موضوع، دونوں کا تقاضا یہ نظر آتا ہے کہ صرف اس قدر جغرافیائی و تاریخی پس منظر پر اکتفا کیا جاتا جو حضور خاتم النبین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت مبارکہ، بعثت اور مشن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس طرح کئی اسماء کی کتابت میں بھی غلطی کا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے، جیسے **الدهناء، تيماء، النفود** کا غلط املاء۔ اسی طرح **حیاۃ محمد** کے مصنف کا نام محمد حسین کی بجائے محمد حسنین ہیکل لکھا گیا ہے۔

یہ مسئلہ خفیف سہی مگر ایک لحاظ سے خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اُردو میں لکھی جانے والی سیرت کی تمام کتابوں میں یہ التزام کیا جانا چاہیے کہ اسماء کے نام ضبط کیے جائیں یعنی ان پر کامل زیر زبر لکھا جائے۔ خاص طور پر ایسے اسماء جن کا تلفظ غلط رائج ہو گیا ہے۔ مثلاً ابولہب کی کنیز ثُوَیبہ جس نے آنحضورؐ کو دودھ پلایا اور جسے ابولہب نے آپؐ کی ولادت کی خوشخبری دینے پر آزاد کر دیا تھا، کو ہمارے ہاں ثوبیہ لکھا جاتا ہے، یہ غلطی مصنف سے بھی سرزد ہوئی ہے۔ یا جیسے فتح شام کی مہم میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے ماتحت جرنیل شُرَحبِیلؓ کا نام تصحیف سے ہمارے ہاں شرجیل بن گیا ہے اور اب شاید ہزاروں پاکستانی بچوں کے نام شرجیل رکھے جا چکے ہیں۔

صفحہ ۶۹ (جلد اوّل) پر امرؤالقیس ثانی کے لقب 'المحرق' کا ذکر ہے۔ مصنف کے کتنے قاری ہوں گے جو زیر زبر کے بغیر لکھے لقب کو المُحرق پڑھ سکیں گے۔ اس طرح مُنذِر کو بھی غلط پڑھا جانے کا امکان ہے۔ ہمارے ہاں تو عالم یہ ہے کہ صف اوّل کا قومی اُردو پریس سالہا سال سے شارقہ کو شارجہ، عُمان کو اومان، دوحہ کو دوہا لکھ رہا ہے۔ ایسی بیسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ٹی وی کے ایک مشہور کمنٹیٹر نے مُثبَت کو مَثبَت بنا کر ہمیشہ کے لیے منفی کے وزن پر کر دیا ہے۔ ایسے میں ڈوگر صاحب کی اس فروگزاشت کو کوئی بڑی خامی قرار دینا قرین انصاف نہ ہوگا۔

اگر مصنف ان تینوں اجزاء کا جامع خلاصہ ایک جلد میں پیش کرنے پر سنجیدگی سے غور فرمائیں تو یہ نہایت مفید کاوش ہر گھر میں پہنچ سکے گی۔ اُس ایڈیشن میں ایسی اغلاط کی تصحیح بھی کی جا سکتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد الغزالی: فقہ السیرۃ [القاہرۃ (؟)، منشورات عالم المعرفۃ، ت-ن] ص ۴-۶

۲۔ نعیم صدیقی: محسن انسانیت (لاہور، الفیصل، ۱۹۹۹ء)، ص ۶۱

۳۔ أمین دویدار: صور من حیاۃ الرسول (القاھرۃ، دارالمعارف، ط۵، ۱۹۸۳)، ص ۹

۴۔ پروفیسر رشید احمد ارشد نے اس کا اُردو ترجمہ نقوش سیرت کے عنوان سے کیا ہے (کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء)۔

علي ولي الله